سرسید احمد خاں

Sem-5
CC-11

سرسید ایک مصلح رہنما اور مفکر کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی شکست و ریخت کے بعد شکست خوردہ قوم کی ذہنی تعمیر اور نشاۃ ثانیہ کے سلسلے میں جو خدمات سرسید نے انجام دی ہیں۔ وہ ہماری قومی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ اُس عہد سے لیکر آج تک جتنی تحریکیں سرگرم رہی ہیں ان کے ذہنی سوتے سرسید کے افکار ہی سے پھوٹے ہیں۔ ان کے مخالفین کی ذہنی بیداری میں بھی براہ راست یا بالواسطہ ان کا ہاتھ رہا ہے۔ سرسید کے اصلاحی کارناموں کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ سیاسی، سماجی اور تعلیمی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ سرسید نے زبان و ادب کی طرف بھی توجہ دی۔ ان کی کوششوں سے اردو زبان قافیہ و ردیف کی بھول بھلیوں سے نکل کر آزاد فضا میں سانس لینے لگی۔ سرسید سے پہلے میر امن اور غالب قدیم طرز نگارش سے بغاوت کرکے سادہ و شگفتہ نثر کا نمونہ پیش کر چکے تھے۔ لیکن اس کا دائرہ کہانیوں اور خطوط تک محدود تھا۔ سرسید نے ان بزرگوں کی روایت پر اضافہ کرتے ہوئے اردو نثر کے دائرے کو وسیع کیا۔ اس میں توانائی اور ہر رنگ میں ڈھل سکنے کی صلاحیت پیدا کی اور اسے اس لائق بنایا کہ وہ ترقی یافتہ زبانوں کے سامنے سر اٹھا کر چل سکے۔ بقول مولانا شبلی:

> "سرسید ہی کی بدولت اردو اس قابل ہوئی کہ عشق و عاشقی کے دائرے سے نکل کر ملکی، سیاسی، اخلاقی، تاریخی ہر قسم کے مضامین اس زور اور اثر و وسعت و جامعیت، سادگی اور صفائی سے ادا کر سکتی ہے کہ خود اس کی استاد یعنی فارسی زبان کو آج تک یہ بات نصیب نہیں۔ ملک میں آج بڑے بڑے انشا پرداز موجود ہیں لیکن ان میں ایک شخص بھی نہیں جو سرسید کے بار احسان سے گردن اٹھا سکتا ہو۔"

سرسید کی ادبی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ مختلف موضوعات پر کتابیں لکھیں صحافت کے ذریعے قوم کے تن مردہ میں روح پھونکی، فکر و شعور کی تشکیل اور تہذیبی اقدار کو فروغ دینے کے لئے گراں قدر مقالے (مضامین) لکھے۔ ادب کو تفریح طبع کا سامان بنانے کے بجائے کے بجائے ایک اعلیٰ مقصد کے آلہ کار کی حیثیت دی اور اسے ایک وزن اور وقار بخشا اور مسائل حاضرہ، زندگی کی محسوس حقیقتوں اور علمی موضوعات سے روشناس کرایا۔ انہوں نے مختلف موضوعات پر کتابیں لکھیں جن میں بطور خاص "خطبات احمدیہ"، "آثار الصنادید"، "تاریخ سرکشی بجنور" اور "اسباب بغاوت ہند" ہیں۔ یہ تمام کتابیں اور ان کے مضامین علمی و تحقیقی مواد کی وجہ سے کافی اہم سمجھے جاتے ہیں۔ سرسید نے اپنے مضامین میں وزن اور وقار پیدا کرنے کے لئے دلائل و براہین کا سہارا لیا ہے۔ اور کہیں کہیں حقیقت پسندی اور افادیت کے زیادہ وضاحت کی وجہ سے ادبی شان متاثر ہوگئی ہے۔ ابتدائی تحریروں میں کہیں کہیں طرز تحریر ناہموار، پیچیدہ اور سپاٹ ہو گیا ہے لیکن ان کی تحریروں میں مقصدیت نمایاں ہونے لگی۔ اس طرح انہوں نے ادب میں جدید رجحانات اور افادی نقطۂ نظر کو پیدا کیا۔

Scanned with CamScanner

سرسید اپنے بھائی کے انتقال کے بعد دہلی واپس آ گئے۔ اس سے قبل منصفی کے عہدے پر فائز تھے۔ اور ان کا تبادلہ کبھی آگرہ، کبھی بجنور، فتح پور سیکری وغیرہ ہوتا رہا۔ ۱۸۵۷ء کے واقعات نے سرسید کو بے چین کر دیا۔ سارے ہندوستان میں بربادی اور تباہ حالی کا منظر تھا۔ مسلمان انگریزوں کی نگاہ میں باغی تھے۔ سید احمد یہ سوچ کر پریشان تھے کہ اب یہاں مسلمانوں کی خیر نہیں۔ اور مسلمان انگریزوں سے پیچھے رہ گئے۔ سرسید مسلمانوں اور انگریزوں کے درمیان اس غلط فہمی کو دور کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ ۱۸۵۹ء میں "اسباب بغاوت ہند" لکھی دراصل سرسید چاہتے تھے کہ اس کتاب سے غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کتاب سب سے پہلے انگلستان بھیجی گئی تاکہ اس پر حکام کی نگاہ پڑے۔

سرسید یہ سمجھتے تھے کہ ہندوستانیوں کی پسماندگی کی بنیادی وجہ تعلیم کی کمی ہے وہ ہندوستان خصوصاً مسلمانوں کو ہر طرح کی تعلیم سے روشناس کرانا چاہتے تھے۔ چنانچہ ۱۸۵۹ء میں مرادآباد میں ایک مدرسہ قائم کیا اور ۱۸۶۴ء میں غازی پور میں ایک سائنٹفک سوسائٹی قائم کی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ مختلف علوم کی کتابیں اردو میں منتقل ہو جائیں تاکہ جدید تعلیم سے عوام و خواص بہرہ ور ہو سکیں۔ سرسید ۱۸۶۹ء انگلستان بھی گئے اور وہاں کے نظام تعلیم کا بغور مطالعہ مشاہدہ کیا۔ ہندوستان واپس آ کر ایک موثر رسالہ "تہذیب الاخلاق" جاری کیا۔ ۲۴ دسمبر ۱۸۷۰ء کو اپنے اس رسالے کا اجرا علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ پریس سے کیا۔ اس میں ایسے مضامین بھی شائع ہوئے کہ ان پر کفر کا فتویٰ لگا دیا گیا۔ مسلمانوں کی تعلیم کو فروغ کرنے سرسید نے ایک کمیٹی بنائی جس کا نام "کمیٹی خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان" سرسید مسلمانوں کے درمیان تعلیم کو عام کرنے کی غرض سے چاہتے تھے کہ علی گڑھ میں باضابطہ ایک جدید کالج قائم ہو۔ اس کام میں ان کے ساتھ وقار الملک، علامہ شبلی نعمانی، اور مولوی نذیر احمد تھے۔ اس سلسلے میں ابوالحسن نقوی لکھتے ہیں:

"وہ آخر حالی ہمت، بلند حوصلہ رفقا کی ایک ٹیم تیار ہو گئی۔ اور سفر کچھ آسان ہو گیا۔ مخالفت کا طوفان پوری طرح نہ تھما مگر یہ کارواں ہر لمحہ آگے ہی بڑھتا گیا۔ آج ہم اس کارواں کو علی گڑھ تحریک اور سرسید تحریک کے نام سے یاد کرتے ہیں کیونکہ علی گڑھ تحریک اس لئے کہی گئی کہ اس کا مرکز علی گڑھ تھا اور سرسید تحریک اس لئے کہ اس کے روح رواں سرسید تھے"

سرسید کے خلاف آوازیں کافی شدید ہو چکی تھیں لیکن سرسید ثابت قدم رہے۔ اس دور میں انہوں نے اس دور کی تصنیفات و تالیفات میں ایک طرح کی شدت ہے وہ کتابیں یہ ہیں: خطبات احمدیہ، تہذیب الاخلاق کے متعدد مضامین، ڈاکٹر ہنٹر کی کتاب پر ریویو۔ سرسید کی آخری کتاب تفسیر القرآن ہے۔ جو ۱۸۷۶ء میں لکھی۔ سرسید کے وقت تک اردو نثر کے دو اسالیب ممتاز تھے۔ ایک رواج وہ تھا جس میں پر تکلف انداز بیان کی کارفرمائی تھی تو دوسرا سادہ اور سلیس۔ ان دونوں نثر کے اطراف کے اندر میانہ روی کو اپنا اسلوب وضع کرنا تھا۔ سرسید نثر کو زندگی کا اور معاشرے کا ترجمان بنانا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے تحریر کی سادگی اور اظہار میں بے ساختگی کو اہمیت دی اور مضامین کے نیچرل پیرائے پر توجہ دی۔ یہی سبب ہے کہ حالی ان کے مضامین کے طرز بیان کو نیچرل کہتے ہیں۔ ان کی مراد صاف اور شفاف اسلوب بیان سے ہے۔

یہی وجہ ہے کہ سرسید کی نثر ہند تو حالی کے قریب ہے اور شبلی کے آہنگ سے میل کھاتی ہے۔ سرسید کی نثر اثر آفرینی سے خالی نہیں۔ سرسید کے ادبی کارنامے صرف فکر و نظر کی وسعتوں تک ہی محدود نہیں۔ انہوں نے اردو زبان کو ایک دلنشین سادہ و شگفتہ اسلوب اور لب و لہجہ دیا۔ اس اسلوب کی سب سے بڑی خوبی موضوع اور ہیئت میں ہم آہنگی ہے۔ وہ ہر موضوع اور خیال کے لیے مناسب اسلوب اپناتے ہیں ان کا اسلوب ہر رنگ میں ڈھل جانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ بقول الطاف حسین حالی:

سرسید کے یہاں ہر مقام کے مقتضا کے موافق ان کی
تحریر کا رنگ خود بخود بدل جاتا ہے۔ اگر ان کے علمی
و تاریخی مضامین میں دریا کے بہاؤ جیسی روانی ہے
تو مذہبی اور پولیٹیکل تحریروں میں چڑھاؤ کی تیزابی
سازور ہے۔ اعتراضات کے جواب میں متانت اور
سنجیدگی ہے۔ اور بے دلیل دعووں کے مقابلے میں ظرافت
و خوش طبعی، لطیفے نشتر سے زیادہ دلخراش اور
مرہم سے زیادہ تسکین بخش ہیں۔"

سرسید کی تحریروں میں تمام طور پر سادہ اور عام فہم لب و لہجہ ملتا ہے۔ لیکن یہ سادگی کھردری اور سپاٹ محسوس نہیں ہوتی۔ اس میں حلاوت اور خلوص کی گرمی محسوس ہوتی ہے۔ سید وہ سادے الفاظ میں پیچیدہ خیالات کو بھی بڑی خوبی سے ادا کرنے کا ہنر سرسید کو معلوم تھا۔ خود سرسید لکھتے اپنی تحریروں کے بارے میں لکھتے ہیں:

"جو کچھ لطف ہو وہ صرف مضمون کے ادا میں
ہو جو اپنے دل میں ہو وہی دوسروں کے دل
میں پڑے تاکہ دل سے نکلے اور دل میں بیٹھے۔"

سادگی کے ساتھ ساتھ سرسید کی تحریروں میں زورِ بیان بھی ملتا ہے۔ جس سے ان کی تخلیقات کا وزن بڑھ جاتا ہے۔ ان کی دردمندی ان کی عبارتوں میں سوز و گداز اور خاص کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

"اے میرے پیارے نوجوانو! اے میری قوم کے بچو!
اپنی قوم کی بھلائی میں کوشش کرو۔ ہمارا زمانہ
تو اخیر ہے اب خدا سے یہ دعا ہے کہ کوئی نوجوان
اٹھے اور اپنی قوم کی بھلائی میں کوشش کرے۔"

سرسید اکثر اپنی تحریروں میں افسانوی رنگ اور درد کی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں۔ اور قاری کی نگاہوں کے سامنے ایسی تصویر کھینچ دیتے ہیں جس میں وہ محو ہو جاتا ہے ایک مضمون کا یہ حصہ ملاحظہ ہو:

"دیکھو وہ بے گناہ قیدی اندھیرے کنویں میں سات تہہ
خانوں میں بند ہے۔ اس کا سورج سا چمکنے والا چہرہ زرد
ہے۔ بے یار و مددگار، غیر مقام، غیر مذہب کے لوگوں کے
ہاتھ میں قید ہے۔ بڈھے باپ کا غم اس کی روح کو صدمہ
پہنچاتا ہے۔ عزیز بھائی کی جدائی اس کے دل کو غمگین رکھتی
ہے۔ قید خانے کی مصیبت اس کی تنہائی، اس کا گو

"دنیا جیسا اور اس پر اپنے گناہوں کا خیال
اس کو شاید ہی رنجیدہ کرتا ہے۔ اس
وقت کی ادا اس کا ساتھی ہیں۔ مگر اسے
ہمیشہ زندہ رہنے والی امید اچھی ہے
اس کی خوشی ہے۔"

سرسید کی تحریروں میں عام طور سے سنجیدگی، وزن، وقار اور علمیت کے عناصر ہیں مگر ان سنجیدہ موضوعات میں کہیں کہیں شوخی اور ظرافت ایک حسن اور دلآویزی پیدا کر دیتی ہے۔ بقول محمد شمیم مرتب مضامین سرسید:

"سرسید کے انداز میں محض منطقی استدلال یا سپاٹ
انشاء پردازی نہیں۔ اس میں حسب موقع شوخی و
ظرافت کا رنگ بھی جھلک اٹھتا ہے۔ ان کی شوخیوں
میں بڑائی اور بے نیازی کا انداز ہے جو انھیں معیاری
سطح سے اترنے نہیں دیتا۔ ~~ان کی ظرافت~~"

احسن فاروقی سرسید کو اردو نثر کا معمار اول قرار دیتے ہیں۔ اپنے تاثرات کا اظہار یوں کرتے ہیں

"سرسید حقیقت میں نثر نگاری کی جینیس لے کر
پیدا ہوئے تھے۔ سرسید کی نثر ایک معیاری نثر کی
سنگ بنیاد ہے اردو نثر کا انھوں نے ایک ایسا ماڈل
پیش کیا ہے جو ہمیشہ ایک عینی معیار کی طرح ہر
اردو نثر نگار کے سامنے رہے گا۔"

سرسید کی عظمت اپنی جگہ مسلم ہے۔ ادب میں افادی نقطۂ نظر پیدا کر کے زندگی سے اس کا رشتہ استوار کیا۔ ~~[illegible]~~ مضمون نگاری میں جو وزن، وقار اور شگفتگی سرسید کے بیان تک آتی ہے وہ صرف سرسید کے مضامین نہیں بلکہ یہ مضامین اور ادب کے لیے سماج کے لیے، معاشرے کے لیے وہ مفید نسخہ ہے جو مایوسی اور اندھیرے غاروں میں ڈوب چکے تھے ان کو ان مایوسیوں سے نکال کر روشنی میں لانے کا کام سرسید نے اپنے مضامین کے ذریعہ کیا ہے۔